© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

پچھلے مہینے (دسمبر ۱۹۶۶ء) کے آغاز میں جماعت اسلامی کی مرکزی مجلسِ شوریٰ کا اجلاس لاہور میں منعقد ہوا تھا۔ یہ اجتماع قریب قریب ایک ہفتہ تک رہا۔ اس میں معمول کے مطابق جماعت کے گذشتہ سال کے پورے کام کا جائزہ لیا گیا اور آئندہ سال کے لیے پروگرام طے کیا گیا۔

جماعت اسلامی کے دستور کی رُو سے اُس کی مجلسِ شوریٰ اُس کے نظام کا سب سے زیادہ با اختیار ادارہ ہے جس کو ارکانِ جماعت اپنے براہِ راست ووٹوں سے منتخب کرتے ہیں اور ارکان کے اجتماعِ عام کی غیر موجودگی میں یہی مجلس اس کی پوری تنظیم اور تحریک کو کنٹرول کرتی ہے۔ اجتماعِ ارکان کے بعد یہ جماعت کی سب سے بڑی، سب سے زیادہ مؤثر اور سب سے زیادہ مقتدر مجلس ہے۔ یہی جماعت کے پورے کام کی نگرانی کرتی ہے اور یہی اُس کی جدوجہد کے خطوط متعین کرتی ہے۔ اس کے فیصلوں کا جماعت کا ہر رُکن پابند ہے۔ اگرچہ جماعت کے نظام میں اختیار کے اصل امین ارکانِ جماعت ہیں لیکن چونکہ اتنی بڑی اور تمام ملک میں پھیلی ہوئی تعداد کو ہر وقت جمع کرنا اور ہر مسئلے پر اس سے مشورہ لینا قریب قریب ناممکن ہے اس لیے جماعت کے دستور میں انہیں اس بات کا حق دیا گیا ہے کہ وہ اپنی اس امانت کو ایک متعین مدت کے لیے ایک منتخب مجلس (یعنی مجلسِ شوریٰ) کے سپرد کر دیا کریں۔ اسی بنا پر اس مجلس کے فیصلے درحقیقت جماعت اسلامی کے فیصلے ہی خیال کیے جاتے ہیں اور انہیں صرف جماعت کے اندر ہی نہیں بلکہ ملک میں بھی جماعتی فیصلوں کی حیثیت دی جاتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی بنا پر مجلسِ شوریٰ کا اجلاس جماعتی زندگی میں بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ مجلس جس طریقہ سے ملکی اور جماعتی حالات کا جائزہ لیتی اور آئندہ کے لیے کام کا نقشہ تیار کرتی ہے وہ جماعت کے ارکان اس کے ہمدردوں اور بہی خواہوں اور پورے ملک کے لیے بڑے دور رس نتائج کا حامل ہوتا ہے۔

ہم اپنی گفتگو کا آغاز مجلسِ شوریٰ کے اس جائزے سے کرتے ہیں جو اس نے ملکی صورتِ حال پر غور کرتے ہوئے پیش کیا ہے، کیونکہ جب تک ہمارے سامنے وہ پسِ منظر پوری طرح نہیں آجاتا جس میں جماعت کام کر رہی ہے ہم جماعت اسلامی کی سرگرمیوں کا صحیح طور پر اندازہ نہیں کر سکتے۔ مجلسِ شوریٰ کے اس معاملے میں جو تاثرات تھے ان کی ترجمانی میاں طفیل محمد صاحب نے مندرجۂ ذیل الفاظ میں کی ہے:

"اس دوران میں کام کی راہ میں جو مشکلات حائل رہیں اور سامنے آئی ہیں ان میں خارجی مشکلات بھی ہیں اور داخلی بھی۔ خارجی مشکلات میں سب سے بڑی مشکل یہ پیش آرہی ہے کہ رابطۂ عوام کے ذرائع اور سیاسی و اجتماعی سرگرمیوں پر روز افزوں پابندیوں نے عام باشندگانِ ملک کو اس بات سے قریب قریب مایوس کر دیا ہے کہ آئینی اور جمہوری طریقوں سے بھی یہاں اصلاحِ حال کی کوئی صورت پیدا کی جا سکتی ہے۔ قانون تحفظِ عامہ، کریمنل لا امنڈمنٹ ایکٹ، سکیورٹی ایکٹ اور پریس آرڈی ننس وغیرہ نے پہلے ہی شہری آزادیوں کو بڑی حد تک مفلوج کر رکھا تھا، لیکن ستمبر ۱۹۶۵ء میں ہنگامی حالات کے اعلان اور پھر بنیادی حقوق کی معطلی، ہائی کورٹوں سے براہِ راست فریاد رسی کی درخواستوں پر پابندی اور ڈیفنس آف پاکستان رولز کے نفاذ نے تو بالخصوص مغربی پاکستان میں بالکل مارشل لا کی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ اس پر بھی بس نہیں، اعلانِ تاشقند پر دستخط کر کے صدرِ پاکستان ابھی تاشقند ہی میں تھے کہ راولپنڈی میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی گئی۔ اور جلسے، جلوس اور مظاہرے تو درکنار، کسی کھلی جگہ پر پانچ یا اس سے زائد آدمیوں کا جمع ہونا بھی ممنوع کر دیا گیا۔ اور پھر اس کے بعد سے تو ضابطۂ فوجداری کی یہ دفعہ ہی سارے صوبے میں دستور و قانون بن گئی ہے۔

بعض مقامات پر اب ایک قدم اس سے آگے بڑھا دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ برسرِ عام تو کجا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسی پرائیویٹ جگہ یا مکان میں بھی کوئی سیاسی اجلاس نہیں کیا جا سکتا۔ کوئی پمفلٹ، دو ورقہ یا اشتہار تقسیم نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اس طرح کی کوئی شے پڑھنا بھی ممنوع ہے۔ صوبائی دارالحکومت میں تو یہ پابندی بھی لگا دی گئی ہے کہ کارپوریشن کی اجازت کے بغیر اور اس کے نوٹس بورڈوں کے سوا کسی جگہ نہ تو کوئی چیز چسپاں کی جا سکتی ہے اور نہ لکھی جا سکتی ہے۔"

سیاسی جبر کے اس تنگ و تاریک ماحول میں ظاہر بات ہے کہ کوئی تحریک اپنی اجتماعی سرگرمیوں کو جاری نہیں رکھ سکتی۔ جماعت کو قدم قدم پر جن نامساعد حالات سے دوچار رہنا پڑا ہے اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ مغربی پاکستان کے امیر نے قریب قریب سارے مغربی پاکستان کا دورہ کیا لیکن سوائے ایک ضلعی اجتماع کے کہیں دوسرا اجتماع نہ منعقد کیا جا سکا۔ اور جن منتظمین نے اس کی جرأت کی اُن سے دو دو ہزار روپے کی ضمانتیں طلب کر لی گئیں۔ ضمانتوں اور پابندیوں کا یہ سلسلہ کسی ایک مقام سے وابستہ نہیں بلکہ ہر اُس مقام پر جہاں ذرا سی سیاسی حرکت پیدا ہوتی ہے اور کوئی ایسا با اثر فرد یا گروہ جو حکومت کا منظورِ نظر نہ ہو، کوئی بات کہنا چاہتا ہے، وہاں اس نوعیت کی ناروا پابندیاں فوراً عائد کر دی جاتی ہیں۔ اس معاملے میں اتنی غیر معمولی چوکسی کا ثبوت دیا جاتا ہے کہ بعض مقامات پر تربیت گاہیں تک منعقد کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی جن کا مقصد کارکنوں کی ذہنی و اخلاقی اور دینی تربیت کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔

یہ تو ہوئی اجتماعات پر پابندی۔ قلم پر اس سے بھی زیادہ کڑے اور سخت پہرے بٹھائے گئے ہیں۔ کسی ایسی چیز کی اشاعت گوارا نہیں کی جاتی جو حکومت کے نقطۂ نظر سے مختلف ہو۔ جماعت اسلامی لاہور نے "اسلام اور خاندانی منصوبہ بندی" کو پمفلٹ کی صورت میں طبع کرا کے صوبے میں پھیلانے کا انتظام کیا تو اُسے ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت ضبط کر لیا گیا۔ اس کے چند روز بعد "اسلام اور ضبطِ ولادت" کا بھی یہی حشر ہوا۔ یہ تو خیر پمفلٹ اور کتاب کی بات ہے سٹینسل تک کے لگانے میں طرح طرح کی رکاوٹیں پیدا کی جاتی ہیں۔ راولپنڈی میں جماعت کے کارکنوں نے خاندانی منصوبہ بندی کے بارے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں چند سٹینسل لگائے تو سٹی مجسٹریٹ صاحب نے انہیں اپنی عدالت میں طلب کرکے اُن سے باز پرس کی اور انہیں ڈرایا دھمکایا۔ لیکن جب وہ ان دھمکیوں سے مرعوب نہ ہوئے تو پھر ان کارکنوں کے خلاف سراپا جھوٹے اور مضحکہ خیز مقدمے درج کیے گئے جن میں سے ایک یہ تھا کہ ان لوگوں نے خاندانی منصوبہ بندی کا ایک بورڈ چرالیا ہے۔ جن حضرات کے خلاف یہ کارروائی کی گئی ان میں ایک صاحب یونین کونسل کے چیئرمین ایک حلقۂ متفقین کے ناظم، ایک قیم جماعت اور دو ارکانِ جماعت ہیں۔

یہ صورتِ حال کسی ایک شہر یا ضلع تک محدود نہیں بلکہ ہر جگہ اسی قسم کی جابرانہ کارروائیاں کی جارہی ہیں۔ بعض شہروں میں تو جماعت اسلامی کے کارکنوں کے خلاف سیاسی اور جھوٹے مقدمات کا ایک لاانتہا ہی سلسلہ چل رہا ہے۔ ڈیرہ غازی خان میں جماعت کے کارکنوں پر پچاس مقدمات بنائے گئے جن میں پچیس افراد کو پھانسا گیا۔ ان میں سے بیالیس مقدمات اب تک خارج ہو چکے ہیں اور باقی چل رہے ہیں

صوبے کی انتظامیہ کا مزاج کس حد تک نازک اور حسّاس ہو چکا ہے اس کا اندازہ کرنے کے لیے عقل کی کوئی زیادہ مقدار اور مشاہدہ کی کوئی غیر معمولی قوت درکار نہیں۔ آرڈی ننسوں نے اُن کے حوصلے بے حد بڑھا دیئے ہیں اور وہ بڑی دلیری کے ساتھ جو چاہتے ہیں کر گزرتے ہیں۔ ابھی گزشتہ دنوں اسمبلی ہال کے اندر عین اجلاس کے وقت صوبے کے نمائندوں کی موجودگی میں حکمراں پارٹی کے ایک معزز رکن کا ایک سرکاری افسر کے ہاتھوں جو حشر ہوا وہ آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے۔ جب خود سرکار کے حامی ایک ایم پی اے کے ساتھ یہ ظلم و زیادتی ہو سکتی ہے تو غریب عوام کی حالتِ زار اور اُن سیاسی اور سماجی کارکنوں کی بے بسی کا خود اندازہ کیا جا سکتا ہے جو ہر معاملہ میں حکومت کی ہاں میں ہاں ملانے کے لیے اپنے آپ کو آمادہ نہیں پاتے۔ اُن پر جو کچھ بیت رہی ہے اُس کے اظہار سے قلم عاجز ہیں۔ پاکستان کے ایک معروف عالمِ دین نے صدر ایوب کی آمد کے موقع پر لڑکیوں کے رقص پر گرفت کی تو انہیں ایک گاؤں میں پابند کر دیا گیا۔ ملتان میں جشنِ بہار کے موقع پر کئی ایک علماء اور سماجی کارکنوں کے ساتھ یہی سلوک ہوا۔ اس معاملے میں حکومت کے کارندے اتنے جری اور بے باک ہو گئے ہیں کہ وہ جن لوگوں کو چاہتے ہیں بلا تامل عدالتی کارروائیوں کا نوٹس دے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیتے ہیں اور ان کی زد میں بسا اوقات ایسے متدین اور خاموش بزرگ بھی آجاتے ہیں جنہوں نے زندگی بھر کبھی بھی کسی سیاسی معاملے میں دلچسپی نہیں لی، حتیٰ کہ کبھی کسی اخبار تک کو نہیں دیکھا جن کا کام صرف علمِ دین کی درس و تدریس اور خطبہ جمعہ تک محدود رہا ہے۔

نشر و اشاعت کے جتنے ذرائع ہیں اُن میں سے دو سب سے موثر ذریعے یعنی ریڈیو اور ٹیلیویژن براہِ راست حکومت کے قبضے میں ہیں اور وہ ہر وقت سرکاری طرزِ عمل کی تائید میں رطب اللسان اور اس کی کارکردگی کے ثنا خواں رہتے ہیں عوام کے سامنے بجز سرکاری نقطۂ نظر کے کوئی دوسرا نقطۂ نظر نہیں آتا۔ لے دے کے عوامی شعور و احساس کو بیدار کرنے والا ایک ذریعہ پریس رہ جاتا ہے۔ لیکن اس کا جو حال ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ ملک کے اکثر و بیشتر روزنامے یا تو پریس ٹرسٹ کی ملکیت میں ہیں یا براہ راست حکومت کی تحویل میں۔ ان بے چاروں کے لیے اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کے علاوہ کوئی چارۂ کار ہی نہیں۔ ایک آدھ اخبار کو چھوڑ کر یہ سارے کے سارے سرکاری پالیسیوں کی ترجمانی میں مصروف رہتے ہیں۔ اور وہ ایک آدھ اخبار جو کسی حد تک حکومت کے اثر سے آزاد ہے اُسے ہر طرح پریشان کیا جاتا ہے اور اس کی مختلف طریقوں سے حوصلہ شکنی کی جاتی ہے۔ پریس آرڈیننس کی تلوار اس پر ہمیشہ معلّق رہتی ہے جو کسی وقت بھی اُس پر وار کر کے اُس کا خاتمہ کر سکتی ہے۔
مشرقی پاکستان کے حالات میں اگرچہ اس حد تک شدّت نہیں ہے، مگر آزاد فضا کا وہاں بھی فقدان ہے۔

ان روح فرسا حالات اور گھٹن کے اس ماحول میں اگر کوئی تحریک محض زندہ رہ جاتی تو یہی غنیمت ہے۔ لیکن ہم اپنے منعمِ حقیقی کا صمیمِ قلب سے شکر ادا کرتے ہیں کہ اُس نے اس سنگین صورتِ حال میں بھی ہمارے قافلے کو رواں دواں رکھا اور رفقائے کار نے حکمت و دانائی سے اپنی کوشش کو جاری رکھ کر اجتماعی جدوجہد کی کمی کو اچھی خاصی حد تک پُورا کیا۔ یہ سراسر اللہ تعالیٰ ہی کا فضل اور اس کی تائید ہے کہ ان حالات میں بھی سال گزشتہ کے دوران میں جماعت کو ڈیڑھ سو کے قریب نئے ارکان اور دس ہزار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تین سو آٹھ متفق میسر آتے۔ تقریب قریب ۳۳۲ افراد نے جماعت کی رکنیت کے لیے درخواستیں دے رکھی ہیں اور اُن پر غور کیا جا رہا ہے۔ تعداد میں اضافے کی وجہ سے رفتارِ کار میں بھی کچھ نہ کچھ اضافہ ہُوا ہے۔ جماعت نے مختلف مقامات پر ۷۰ نئے دارالمطالعے قائم کیے ہیں اور اس طرح اب دارالمطالعوں کی مجموعی تعداد ۱۰۱ تک جا پہنچی ہے۔ شفاخانوں اور سماجی بہبود کے مراکز کی کارکردگی بھی کافی حد تک اطمینان بخش ہے اور اس سال اُن کی تعداد ۳۲ سے بڑھ کر ۵۷ ہو گئی ہے۔

کسی تحریک کی حیثیت ایک جوئے رواں کی سی ہوتی ہے جس کے بہاؤ کو ناروا پابندیاں روک کر نہیں رکھ سکتیں۔ اگر تحریک کے کارکنوں میں اخلاص، اپنے مقصد کے حصول کا جذبۂ صادق، اور صبر و حکمت موجود ہو تو آگے بڑھنے کے راستے خود بخود نکلتے چلے آتے ہیں۔ تاریخ اس حقیقت کی شاہد ہے کہ دنیا کی کسی ایسی تحریک کا، جس کے علمبرداروں کو اپنے مقصد کا شعور اور نصب العین کے ساتھ عشق تھا، کوئی جبر و استبداد راستہ نہیں روک سکا ہے۔ وہ برابر آگے بڑھتی رہیں اور بالآخر اپنے مقصد میں کامیاب ہوئیں۔ قانونی پابندیاں تحریکات کو کبھی دبا نہیں سکتیں۔ وہ صرف اُن کے راستوں میں عارضی رکاوٹیں ہی ڈال سکتی ہیں۔ پھر یہ تو اُن تحریکات کا حال ہے جن کے کام کے میدان بڑے محدود اور جن کے دائرہ ہائے کار بڑے تنگ ہیں۔ دینی تحریکیں جو اپنی سرگرمیوں کے لا تعداد میدان رکھتی ہیں، جن کے فکر و عمل کا دائرہ قلب و دماغ کی اتھاہ گہرائیوں سے لے کر خارجی زندگی کے سارے گوشوں تک پھیلا ہُوا ہے، کوئی قانونی پابندی، کوئی جبر و استبداد اُن کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتا۔ وہ مسلسل سرگرمِ عمل رہتی ہیں اور اپنی توسیع و ترقی کے لیے نئے نئے راستے تلاش کرتی ہیں۔ جس طرح دلِ زندہ کبھی نہیں اجڑتا بلکہ ہمیشہ باغ و بہار رہتا ہے بالکل اسی طرح کوئی دینی تحریک، جس کے علمبرداروں میں خلوص و تدبّر ہو، کبھی نہیں مرتی۔ وہ ہمیشہ پھلتی پھولتی ہے۔ البتہ اُس تحریک کے بہی خواہوں کو ہر وقت اس بات کی فکر کرنی چاہیے کہ مقصد کی لگن میں کسی طرح کمی نہ آنے پائے۔ کیونکہ یہی چیز اُس کے لیے پیامِ اجل ثابت ہوتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بے جا نہ ہوگا اگر اس موقع پر جہاں ہم اپنے رفقاء کی خدمت میں یہ معروضات پیش کر رہے ہیں وہاں اصحابِ اقتدار کی بارگاہ میں بھی اس افسوسناک صورتِ حال کے متعلق کچھ عرض کریں۔ ہم انہیں اس سلسلے میں یہی کہہ سکتے ہیں کہ براہِ کرم تاریخ سے سبق لیں۔ عقلمند آدمی وہی ہوتا ہے جو دیوار پر لکھی ہوئی نصیحت سے بھی فائدہ اٹھاتا ہے۔ صحیح حکمرانی لوگوں کی گردنوں پر نہیں بلکہ اُن کے دلوں پر کی جاتی ہے۔ قانون کا بازو خارجی زندگی کے بھی بمشکل ۵ فیصد حصّے تک پہنچتا ہے۔ ۹۵ فیصد حصّہ اس کی دسترس سے آزاد رہتا ہے۔ اور داخلی زندگی جو خارجی زندگی سے کہیں زیادہ وسیع اور عمیق ہوتی ہے اس پر تو قانون کا ذرہ برابر بھی بس نہیں چلتا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ حیاتِ انسانی کے ایک نہایت ہی معمولی گوشے پر قبضہ کر کے اُس کی پوری زندگی پر قابض ہونے میں کامیاب ہو جائیں۔ تاریخ میں بڑے بڑے اصحابِ سطوت و جبروت پیدا ہوتے۔ وہ چند لوگوں کی گردنوں کو تو اپنے سامنے جھکا سکے مگر اُن کے دل کبھی بھی مسخر کرنے میں کامیاب نہ ہوئے۔ دلوں کی تسخیر کے لیے ہمیشہ ایک ہی اصول کارفرما رہا ہے کہ سب سے پہلے عوام کے دلوں میں اُتر کر اُن کے احساسات و جذبات کو سمجھنے کی کوشش کی جائے، پھر انہیں سامنے رکھ کر قومی تعمیر و ترقی کا کوئی جامع منصوبہ بنایا جائے، اور اس کے بعد انہیں اس بات کا پورا پورا موقع فراہم کیا جائے کہ وہ اس منصوبے اور اس کے نتائج کے بارے میں اپنے ردِّ عمل کو برملا ظاہر کر سکیں۔ جن پروگراموں کو عوام کے قلب و دماغ قبول نہیں کرتے اور جن کے بارے میں وہ مختلف خدشات اپنے سینوں میں پالتے ہیں انہیں محض قوت و طاقت کے بل پر آگے بڑھانا کوئی تدبر نہیں۔ حکومت آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے بے شمار وسائل آپ کے قبضے میں ہیں۔ نشر و اشاعت کے کم و بیش سارے ذرائع آپ کی تحویل میں ہیں۔ ان وسیع اختیارات کی موجودگی میں یہ کس طرح ممکن ہے کہ کوئی "سرپھرا" آپ کے بارے میں عوام کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ عوام کسی حد تک جذباتی ہی سہی، لیکن اگر کوئی دوسرا ہر قسم کے وسائل سے محروم ہو کر بھی انہیں اپنے ساتھ لگا سکتا ہے تو آپ اتنے وسیع اختیارات اور اتنے زبردست وسائل رکھنے کے باوجود کیوں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ عوام جذباتی ہونے کی وجہ سے وقتی طور پر دھوکے میں آ کر مشتعل ہو سکتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔ لیکن وہ پاگل اور دیوانے تو نہیں ہوتے کہ اپنی بھلائی اور بُرائی کے درمیان تمیز نہ کر سکیں۔ اگر حکومت ایک کام اُن کی بھلائی کے لیے کر رہی ہو تو یہ ناممکن ہے کہ اس کی افادیت، حکومت کی پوری توضیح و تشریح کے باوجود اُن کے ذہن نشین نہ ہو سکے اور وہ محض چڑ اور ضد میں بہک کر حکومت کی مخالفت پر کمر بستہ ہو جائیں

چند انسانوں کو کچھ وقت تک تو بیوقوف بنایا جا سکتا ہے لیکن پُوری قوم کو ایک لمبی مدت تک بیوقوف نہیں بنایا جا سکتا۔ اس بنا پر ملک و قوم اور خود اصحابِ اقتدار کی خیر خواہی اسی میں ہے کہ عوام کو اپنے گھٹے ہوئے احساسات اور دبے ہوئے جذبات کے اظہار کا موقع دے اور حکومت اُن کی زبانیں بند کرنے اور ان کی تحریروں پر قدغن لگانے کے بجائے اُن کی تکلیفات کو توجہ اور ہمدردی سے سنے اور پھر طاقت سے نہیں بلکہ دلسوزی اور جذبۂ ایثار کے ساتھ انہیں دُور کرے۔ تحریر و تقریر پر پابندیاں عائد کرنے سے بلاشبہ حکومت کے حساس کان ناخوشگوار باتیں سننے سے محفوظ رہیں گے۔ لیکن آخر جذبات کے اُن طوفانوں کا کیا بنے گا جو انسانی سینوں کے اندر تلاطم پیدا کریں گے۔ ان کو بہنے کے لیے اگر آئین کے راستے کھلے نہ ملیں گے تو بعید نہیں کہ کسی وقت وہ غیر آئینی راستوں پر نہ نکلیں۔ یہ چیز انسان کی فطرت میں داخل ہے کہ وہ دکھ اور تکلیف سے لاچار اور پریشان ہوتا ہے اور خوشی سے اُسے سکون اور آرام میسّر آتا ہے۔ جب عوام بعض ناقابلِ برداشت مصائب سے دوچار ہیں تو وہ لازمی طور پر آہ و فغان کریں گے۔ یا تو اُن کے مصائب اور پریشانیوں کو دُور کیجیے، اور اس طرح اُن کے کرب و اضطراب کو سکون اور آرام سے بدلنے کی کوشش کیجیے، یا جن لوگوں پر انہیں اعتماد اور بھروسہ ہے انہیں اس بات کا موقع دیجیے کہ وہ انہیں مطمئن کر سکیں۔ اور اگر آپ یہ بھی نہیں کرنا چاہتے تو ان کو کم از کم اس بات کا حق تو دیجیے کہ وہ اپنی تکالیف بیان کر سکیں اور اُن حالات کو آپ کے سامنے لا سکیں جو ان کے لیے وجہِ شکایت ہیں۔ اس سے انہیں کم از کم یہ تسکین تو ہو گی کہ آپ ان کی تکلیفات سننے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔

آج پُوری دنیا سے مشرق انسانوں کی بستی معلوم نہیں ہوتی بلکہ ایک ایسا آتش فشاں معلوم ہوتی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو ہر وقت زیر و زبر ہو رہا ہے اور جس میں پیہم انقلابات اور تبدیلیوں نے اسے جہنم آسا بنا دیا ہے۔ یہاں بھائی کا بھائی گلا کاٹ رہا ہے اور پوری زمین انسانی خون سے لالہ زار بنی ہوئی ہے۔ یہ ممالک کس افسوسناک صورتِ حال سے گزر رہے ہیں اور انسانی جان یہاں کتنی ارزاں ہے اس کا اندازہ اس ایک چیز سے لگایا جا سکتا ہے کہ ابھی حال ہی میں صرف انڈونیشیا کی حدود میں دس لاکھ جانیں ضائع ہوئی ہیں۔

کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس بدنصیب خطّے کے رہنے والے فطرتاً امن و چین کے دشمن اور خون خرابے کے چاہنے والے ہیں؟ انسان خواہ اس کا تعلق مشرق سے ہو یا مغرب سے طبعاً امن پسند اور عافیت کوش ہوتا ہے۔ لڑائی جھگڑے سے اسے فطری طور پر نفرت ہے اور وہ اگر کبھی یہ طرزِ عمل اختیار کرتا ہے تو یہ اُس کی فطرت نہیں بلکہ فطرت سے بغاوت ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا مشرق میں امن پسند انسان کی فطرت مسخ ہو گئی ہے اور اس نے صلح اور آشتی کی راہ چھوڑ کر بغاوت اور قتل و غارت کا شیوہ اختیار کر لیا ہے؟ ہمیں مشرقی انسان کی فطرت میں قطعاً کوئی تبدیلی نظر نہیں آتی۔ وہ خیر اور بھلائی کا جویا اور امن و چین کا آرزومند ہے لیکن یہ ضرور چاہتا ہے کہ وہ اپنی خواہشات و تمناؤں کے مزار پر ناکراں کے گرد سادھوؤں اور جوگیوں کی طرح دنیا اور اس کے معاملات سے یکسر بے تعلق ہو کر نہ بیٹھے بلکہ اپنی خواہش اور آرزو کے مطابق اپنی دنیا تعمیر کرے لیکن جب کچھ طاقتور اور چالاک افراد اور قومیں محض اقتدار کے نشے میں اندھے بہرے تشدد سے کام لے کر ان آرزوؤں کو پروان نہیں چڑھنے دیتے تو وہ پھر مضطرب ہو کر بھڑک اٹھتا ہے اور اپنے اس اضطراب کے اظہار کے لیے جب سارے راستے مسدود پاتا ہے تو غیر آئینی حرکات پر اتر آتا ہے۔ برسرِ اقتدار طبقے اس بے چارے کی اصل پریشانی اور اس کے حقیقی اسباب پر تو غور نہیں کرتے اور محض قوت سے اسے دبا دیتے ہیں جس کے نتیجے میں خوفناک قسم کی کشمکش شروع ہو جاتی ہے۔ جہاں جہاں عوام کے احساسات و جذبات کو نظرانداز کر کے اُن پر اُن کی مرضی کے خلاف کوئی چیز ٹھونسی گئی یا اُن کے مسائل سے صرفِ نظر کرتے ہوئے انہیں صرف دلکش نعروں سے بہلانے پر اکتفا کیا گیا وہیں ان کے اندر تلخی پیدا ہونی شروع ہوئی۔ زندگی کے حقائق بڑے ٹھوس ہیں اور انہیں صرف خوش کن باتیں کر کے ہوا میں تحلیل نہیں کیا جا سکتا۔ مشرق کے حکمران جتنی جلدی اس حقیقت کو سمجھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائیں اتنا ہی یہ حاکم و محکوم دونوں کے حق میں بہتر اور مفید ہوگا۔

جماعت کے کام کی راہ میں خارجی موانع کے تذکرے کے بعد مجلسِ شوریٰ کی کارروائی میں جو دوسری اہم چیز سامنے آئی ہے وہ بیرونِ ملک میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے کام کی اشد ضرورت کا احساس اور جو کام پہلے سے ہو رہا ہے اُس کی تنظیم ہے۔

اس وقت مسلمانوں کی مجموعی آبادی کم سے کم اندازے کے مطابق باون کروڑ گیارہ لاکھ اور تیرہ ہزار افراد پر مشتمل ہے جو دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ مشرقِ وسطیٰ اور اُس کے متصل علاقوں اور جنوب مشرقی ایشیا کے علاوہ افریقہ کے متعدد حصے ایسے ہیں جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں۔ خصوصاً شمالی، وسطی اور مغربی افریقہ میں تو مسلمانوں کا تناسب بڑی غالب اکثریت ہے۔ بدقسمتی سے یہ ساری آبادیاں ایک مدتِ دراز تک مغربی سامراجیت کا شکار رہیں جنہوں نے انہیں بڑی بے دردی کے ساتھ تاخت و تاراج کیا لیکن اب آزاد ہونے کے بعد جبکہ ان کے اندر حرکت و حرارت پیدا ہو رہی ہے تو انہوں نے اپنے اُس مذہب پر بھی غور کیا ہے جو اُن کی قوت کا واحد سرچشمہ ہے اور جس کی برکت سے وہ صدیوں کی غلامی کے باوجود اپنے قومی تشخص کو محفوظ رکھنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ دوسری طرف عیسائیوں نے بھی اس امر کو پوری طرح محسوس کیا ہے کہ ان ممالک کی آزادی کے بعد اگر اُن کے سامراجی عزائم کی تکمیل کی اب کوئی صورت ممکن ہے تو وہ یہی ہے کہ انہیں عیسائیت کے دام میں پھانس کر فکر و نظر کے اعتبار سے آزاد نہ ہونے دیا جائے۔ چنانچہ عیسائیوں کے بڑے بڑے مشن زبردست تیاریوں کے ساتھ اور لاتعداد وسائل جمع کرکے اب افریقہ کا رُخ کر رہے ہیں۔ جماعت اسلامی کی مجلسِ شوریٰ نے حالات کی اس سنگینی کے پیشِ نظر گزشتہ سال اس امر کا فیصلہ کیا کہ چوہدری غلام محمد صاحب افریقہ کا دورہ کرکے ساری صورتِ حال کا جائزہ لیں اور پھر ان سب ممالک میں تبلیغِ دین کا جو کام ہو رہا ہے اُس کے متعلق رپورٹ پیش کریں۔ چنانچہ چوہدری صاحب نے گذشتہ سال ہی مشرقی افریقہ کا دورہ کیا اور تقریباً ایک ماہ اس علاقے میں رہ کر مقامی باشندوں اور ایشیائی مسلمانوں سے مل کر وہاں کے حالات دیکھے اور جمع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گئے اور پھر کام کا ایک منصوبہ تیار کیا جس میں قرآن مجید کے سواحلی اور یوگنڈی ترجمہ کی اشاعت ۔ انگریزی اور سواحلی میں اسلامی لٹریچر کی تیاری اور اشاعت ، سواحلی زبان میں ایک ماہ نامے کا اجراء اور دارالعلوم کا قیام شامل ہے ۔ اس سال مجلسِ شوریٰ نے اس منصوبے کے تحت جو کام ہو رہا ہے اس کا جائزہ لیا ، تو اللہ تعالیٰ کی نوازش سے خاطر خواہ نتائج سامنے آئے ہیں ۔ سواحلی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ مکمل ہو چکا ہے اس کے علاوہ رسالہ دینیات کا ترجمہ بھی طباعت کی منزل میں ہے ۔

چوہدری صاحب نے افریقیہ کے بعد ترکی کا دورہ کیا اور اسلام کے احیاء کے لیے جو کوششیں وہاں ہو رہی ہیں اُن کا جائزہ لیا ۔ اُنہوں نے اپنے تاثرات مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیے ہیں :

" ترکی میں اگرچہ تحریک اسلامی کو سخت نامساعد حالات کا سامنا ہے ۔ امریکہ ، برطانیہ اور روس اور مغربی ممالک کی سازشیں جاری ہیں ۔ یہودیوں کے بین الاقوامی آلۂ کار سوفی FREE MASON تحریک کا گڑھ ہے ۔ لیکن گزشتہ پندرہ سولہ سال کی تاریخ اس بات کی شہادت دے رہی ہے کہ تحریک اسلامی خاصی گہری اور مضبوط جڑیں رکھتی ہے اور اگر ان کو اس وقت مدد پہنچ جائے تو انشاء اللہ یہ قوت پکڑ کر حالات کو بدل سکتی ہے ۔ ان کی مدد صرف لٹریچر کی تیاری اور طباعت کے میدان میں درکار ہے ۔ اگر ان لوگوں کو اپنا پریس بھی میسر آجائے تو غیر معمولی سہولت ہو سکتی ہے ۔ علامہ بدیع الزمان سعید نورسی رحمہ اللہ کی کتابیں اب طبع ہو کر شائع ہو رہی ہیں ۔ مگر یہ سارا لٹریچر مغربی تہذیب کے پیدا کردہ چیلنج کا جواب دینے سے قاصر ہے ۔ اب کچھ کتابیں سید قطب شہیدؒ (اللہ تعالیٰ ان کی اور ان کے ساتھیوں کی قبروں کو نور سے بھر دے) کی ترجمہ ہو کر شائع ہوئی ہیں ۔ مولانا مودودی صاحب کی چند فکر انگیز کتب اور رسائل مثلاً دینِ حق ، اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے ، کلمۂ شہادت ، اسلام کا نظامِ حیات ، اسلام کا اخلاقی نقطۂ نظر ، انسان کا معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل ، سود ، اور اسلام اور ضبطِ ولادت بھی ترکی میں شائع ہو چکی ہیں ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دنیائے اسلام کو اس وقت جو متعدد مسائل درپیش ہیں اُن میں ایک اہم مسئلہ اُن مسلمانوں کے تہذیبی تحفظ کا مسئلہ ہے جو معاشی یا تعلیم یا کسی دوسری غرض کے لیے مغربی ممالک میں آباد ہیں۔ ان میں سے اگرچہ ایک تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جنہیں اسلام کی ہر چیز سے بُعد اور مغرب کی ہر ادا پسند ہے۔ ایسے لوگ اگر مغربی سوسائٹی میں مدغم ہو جائیں تو یہ قطعاً کوئی غیر متوقع بات نہیں۔ لیکن وقتاً فوقتاً اخبارات یا خبر رساں ایجنسیوں سے ان مغربی ممالک کے مسلمان باشندوں کے جو تاثرات سامنے آتے رہتے ہیں۔ اُن سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ایک عظیم تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جو اسلام اور اس کے شعائر سے کسی قیمت پر بھی دستبردار نہیں ہونا چاہتے اور وہ اپنی اولاد کو بھی اسلام کا حلقہ بگوش رکھنا چاہتے ہیں۔ پھر ایک اچھی خاصی تعداد ایسے نوجوانوں کی بھی ہے جو اگرچہ اسلام سے محبت رکھتے ہیں مگر کسی دینی تنظیم کے نہ ہونے کی وجہ سے آہستہ آہستہ مغربی سوسائٹی کی برائیوں کو قبول کرتے جا رہے ہیں اور اُن کے اندر "احساسِ زیاں" مرتا جا رہا ہے۔ جماعتِ اسلامی ان حالات کو ایک مدت سے بنگاہِ تشویش دیکھتی رہی ہے اور مغربی ممالک خصوصاً انگلستان میں دعوت و تبلیغ کے مقدس کام کو شروع کرنے کی خواہشمند رہی ہے۔ چنانچہ امسال چوہدری صاحب اور پروفیسر خورشید صاحب نے اس سلسلہ میں ان ممالک کا دورہ کیا اور مختلف یونیورسٹیوں اور علمی اداروں میں مسلموں اور غیر مسلموں سے خطاب کیا اور وہاں کی اہم علمی شخصیتوں سے ملاقاتیں بھی کیں۔ پروفیسر خورشید صاحب اسی سلسلے میں مغربی جرمنی بھی تشریف لے گئے اور وہاں انہوں نے اسلام اور تحریک اسلامی کا تعارف کرایا۔ انگلستان کے مسلمانوں کو ایک مضبوط دینی تنظیم قائم کرنے اور پھر انہیں اس کے ساتھ وابستہ ہونے کی ضرورت کا احساس دلایا گیا۔ اسی مقصد کے لیے یو۔کے اسلامک مشن لندن کو اب نئے عزائم اور نئی امنگوں کے ساتھ منظم کیا جا رہا ہے تاکہ وہ ایک طرف تو دعوتِ دین کا کام کرے اور دوسری طرف وہاں کے مسلمان باشندوں کے دینی احساسات کو زندہ رکھنے کے لیے ہر میدان میں جدوجہد کرے۔

مجلسِ شوریٰ نے اپنے اس حالیہ اجلاس میں ملک کی تشویشناک اقتصادی صورتِ حال پر بھی سوچ بچار کیا ہے اور ایک قرارداد میں اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ ملک معاشی اعتبار سے اس وقت نہایت پریشان کن مسائل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے دوچار ہے جنہیں اگر صحیح نہج پر حل کرنے کی کوشش نہ کی گئی تو صورتِ حال زیادہ تشویشناک ہو جائے گی۔

اربابِ اختیار معاشی ترقی کے بڑے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں، اور پروپیگنڈا کے ذریعہ عوام کو یہ باور کرانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ ملک معاشی میدان میں حیرت انگیز ترقی کر رہا ہے۔ لیکن جب ہم اس نام نہاد ترقی کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ یہ محض اعداد و شمار کی فریب کاری ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اس ملک کے چند خاندان دیکھتے دیکھتے کروڑپتی نہیں بلکہ ارب پتی بن گئے ہیں۔ مگر ملک کی عظیم اکثریت بہت بُری طرح پس رہی ہے۔ اشیائے صرف کی قیمتوں میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے اور ہوشربا گرانی نے عوام کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔

معاشی ترقی اور خوشحالی کوئی ایسی غیر مرئی حقیقت نہیں ہوتی جسے دیکھا اور محسوس نہ کیا جاسکتا ہو۔ ایک عام آدمی جو علمِ معیشت کی ابجد سے بھی واقف نہ ہو وہ بھی معاشی ترقی کا یہ مطلب سمجھتا ہے کہ عام باشندوں کو ضروریاتِ زندگی مہیا ہونے لگیں، یا بالفاظِ دیگر لوگوں کی ضرورت کی چیزیں فراوانی کے ساتھ ہر جگہ بازار میں موجود بھی ہوں اور لوگ ان کو خریدنے کے قابل بھی ہوں۔ لیکن ہمارے ہاں ترقی کا یہ عجیب انداز ہے کہ سرکاری اطلاعات کی رُو سے تو ملک زبردست معاشی ترقی کر رہا ہے، اور عام آدمی کا تجربہ و مشاہدہ یہ خبر دے رہا ہے کہ لوگ روز بروز زیادہ تنگ حال ہوتے جا رہے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جب ملک میں سرمایہ کاری (INVESTMENT) زیادہ ہوگی تو اس سے قیمتوں میں اضافہ ہونا ناگزیر ہے۔ چلیے ہم اس بات کو بھی وقتی طور پر تسلیم کر لیتے ہیں۔ لیکن سرمایہ کاری کا یہ اثر تو لازمی طور پر ہوا کرتا ہے کہ ملک میں بیروزگاری کم ہونے لگتی ہے۔ ہمارے ہاں آخر وہ کیسی سرمایہ کاری ہو رہی ہے جس سے لوگوں کو روزگار ملنے کے بجائے اُلٹی بیروزگاری بڑھتی چلی جاتی ہے۔ آج کا نوجوان جس طرح بیروزگاری کے جنگل میں پھنسا ہوا ہے اس کا اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے خود یہ مصیبت دیکھی ہو۔ وہ بے چارا تلاشِ روزگار کے لیے مختلف دفتروں کے چکر کاٹتا ہے اور در در کی ٹھوکریں کھاتا ہے لیکن اُسے کام نہیں ملتا۔ عوام روٹی کے ایک ایک لقمے کے محتاج ہیں۔ ان کے پاس اپنے بچوں کے پیٹ بھرنے کے وسائل بھی نہیں۔

ایک طرف یہ صورتِ حال ہے اور دوسری طرف معاشی بدعنوانیاں ملک کے نظامِ حیات کا جزو بن گئی ہیں۔ رشوت کے بغیر کسی سرکاری محکمے سے لوگوں کا کوئی کام نہیں نکلتا۔ عوام کو اپنے جائز حقوق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کمک کے حصول کے لیے حکام کی مٹھی گرم کرنی پڑتی ہے۔ سُود کی لعنت پہلے سے کہیں زیادہ ہماری معیشت پر مسلط ہے۔ اور اس وجہ سے ملکی دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہوتی چلی جا رہی ہے۔ یہ خرابیاں اتنی واضح اور اتنی لاتعداد ہیں کہ اس ملک کا ہر فرد ان کا نہ صرف اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہا ہے بلکہ ان سے اُسے خود ہر لمحہ سابقہ پڑتا ہے۔

ان حالات میں ہم اصحابِ اقتدار سے یہی گزارش کریں گے کہ ان تلخ حقائق کو محض اغیار کے طعنوں پر محمول کر کے نظر انداز نہ کریں اور اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں کہ صرف معاشی ترقی کا پراپیگنڈہ اور اسلامی سوشلزم کا نعرہ عوام کی تلخیوں کو دُور کر دیگا۔ زندگی بڑے ٹھوس حقائق پر مبنی ہے اور خوش کن اعداد و شمار کے چکر اور نعرہ بازیاں انہیں کافور نہیں کر سکتیں۔ پھر انہیں اس تلخ حقیقت سے بھی صرفِ نظر نہ کرنا چاہیے کہ دورِ جدید میں کسی معاشرے کے اندر معاشی بدحالی کا بڑھنا، اخلاقی حدود و قیود کا ٹوٹنا، اور امیری و غریبی کے درمیان فرق و امتیاز میں روز بروز اضافہ ہونا، یہ وہ علامات ہیں جو کسی بہت بڑے طوفان کا پتہ دیتی ہیں۔ ایسی ہی فضا اور ایسے ہی ماحول میں بعض ملحدانہ تخریبی تحریکات سرعت کے ساتھ پھیلتی پھولتی اور برگ و بار لاتی ہیں۔ اس معاملے میں ایک لمحہ کے لیے بھی غفلت نہ کرنی چاہیے بلکہ اسلام کے معاشی اصولوں کو صدقِ دل کے ساتھ اپنا کر معاشرے کے اندر پھیلی ہوئی ان خرابیوں کا تدارک کرنا چاہیے۔ خدا نہ کرے کہ ہماری غفلت کی وجہ سے تخریب و الحاد کا سیلاب ہمیں برباد کر کے رکھ دے۔

مختلف مسلم و غیر مسلم ممالک میں آج اسلام اور اہلِ اسلام پر جو بیت رہی ہے مجلسِ شوریٰ نے اُس کا بھی جائزہ لیا ہے اور اس معاملے میں اپنے موقف کی نہایت واشگاف الفاظ میں وضاحت کی ہے۔ یُوں تو شاید ہی دنیا کا کوئی ایسا ملک ہو جس میں اسلام اور اس کے نام لیواؤں کے لیے فضا سازگار ہو، لیکن خاص طور پر مصر، اریٹریا، یمن، کشمیر اور برما میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ انتہائی افسوسناک اور قابلِ مذمت ہے۔

مصر میں اخوان المسلمون کا کرنل ناصر کے ہاتھوں جو حشر ہوا ہے اور بے بس اخوانیوں پر ظلم و ستم کے جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہاڑ توڑے گئے ہیں وہ استبداد کی تاریخ کا ایک انتہائی سیاہ باب ہے۔ اسلام کے فدائیوں اور ملت کے بہی خواہوں کو بغیر کسی قصور کے تختہ دار پر لٹکا دینا اور جیلوں میں بند کر کے انہیں نہایت خوفناک قسم کی سزائیں دینا انسانیت کے نام پر کلنک کا ٹیکہ ہے۔ مجلس شوریٰ نے اس صورتِ حال پر تشویش کا اظہار کیا ہے۔

اریٹریا کی مسلم آبادی پر حبشہ کے عیسائی حکمراں کے مظالم کی بھی مجلس نے مذمت کی ہے۔ اور اقوام متحدہ سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ کم از کم اپنی ان قراردادوں کا تو کچھ پاس کرے جو اس نے اس بدنصیب ملک کی قسمت کا فیصلہ کرتے وقت خود منظور کی تھیں۔ حبشہ کا عیسائی حکمراں ہیلا سلاسی اقوام متحدہ کے فیصلوں اور انسانی اور جمہوری تقاضوں کو یکسر نظر انداز کر کے محض طاقت کے بل پر نہ صرف اریٹریا کو حبشہ میں ضم کرنے کے درپے ہے بلکہ فرانس صومالیہ کو بھی ہڑپ کرنے کی فکر میں ہے۔

یمن میں مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کی خونریزی و خانہ بربادی پر بھی مجلس نے دلی رنج و قلق کا اظہار کیا ہے۔ درحقیقت یہ بات انتہائی افسوسناک ہے کہ ایک عرب ملک جو ابھی خود مغربی استعمار کے چنگل سے نکلا ہے، آج ایک استعماری طاقت بننے کی کوشش کر رہا ہے اور اس کی فوجیں اس کی اپنی سرزمین سے ڈیڑھ ہزار میل کے فاصلے پر یمن میں کشت و خون اور غارت گری کر رہی ہیں، جس کے لیے کوئی وجہ جواز پیش نہیں کی جا سکتی۔ اور یہ حرکت ایسی حالت میں کی جا رہی ہے جبکہ اسرائیل کا خطرہ مشرقِ وسطیٰ میں تمام عرب ملکوں کے سر پر منڈلا رہا ہے۔

برما میں فوجی آمریت اور سوشلزم کے مرکب نے مسلمانوں پر جو ظلم ڈھا رکھا ہے اس کی طرف بھی مجلس شوریٰ نے دنیا کی تمام مسلم حکومتوں اور قوموں کو توجہ دلائی ہے تاکہ وہ اس ظلم کو ختم کرانے کے لیے اپنا اخلاقی اثر استعمال کریں۔

کشمیر کے معاملہ میں ہندوستان اور بین الاقوامی طاقتوں کے طرزِ عمل کا جائزہ لیتے ہوئے مجلس شوریٰ نے حکومتِ پاکستان کو مشورہ دیا ہے کہ اوّلاً، اعلان تاشقند کی ناکامی کا اعلان کر کے سلامتی کونسل سے مطالبہ کرے کہ جن شرائط پر ستمبر ۱۹۶۵ء میں جنگ بند کرائی گئی تھی ان کو اب پورا کیا جائے۔ ثانیاً وہ پُرامن طریقوں سے مسئلہ کشمیر کے حل کی کوششوں کے لیے کوئی حد مقرر کرے، اور ثالثاً وہ اس مسئلے کو آخری اور

(باقی ص ۲۴۲ پر)

© rasailojaraid.com